ہمارے عصری نصابِ تعلیم کے تضادات

مولانا محمد عمران گودھروی

قیام پاکستان سے تاحال ہمارا شعبہ تعلیم مشکلات ہی مشکلات کا سامنا کررہا ہے یہ واحد شعبہ ہے جس کی مشکلات کسی بھی دور میں کم نہیں ہوئی۔مثالیت پسندی سے تجزیہ کیا جائے تو حکمرانوں نے اس کو سنجیدگی سے کبھی لیا ہی نہیں۔1972 میں اداروں کو قومیانے Natinalization سے تعلیمی اداروں پر جو بوجھ پڑا اس کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے تگ ودو جاری تھی کہ صدر ضیاء الحق نے 1978 میں ان اداروں کی نج کاری Privatization کرنے کا اعلان کردیا جس کے نتیجے میں گلی محلوں میں نت نئے ناموں سے اسکول کھلے جن کے منتظمین کا واحد مقصد حصولِ زر اور تعلیم کے علاوہ ہر شے تھی،ان میں سے اکثریت نان ایجوکیٹیڈ تھے،اگر ان نجی تعلیمی اداروں کے لیے اگر اول روز سے کوئی ٹھوس پالیسی وضع کرلی جاتی تو آج والدین کو بچوں کی تعلیم آگے بڑھانے کے لیے اپنے سرمایے کو نہ دیکھنا پڑتا اور تعلیم کبھی اس قدر مہنگی نہ ہوتی جتنی آج ہے۔تجزیہ نگار ارشاد احمد حقانی مرحوم کہا کرتے تھے:

> ''ہمارے برصغیر میں تعلیم کی وزارت ہمیشہ سے غیر اہم رہی ہے۔نئی حکومت کی تشکیل میں ایک بار وزارتوں کی تقسیم کا مرحلہ درپیش تھا تو پارٹی صدر کے سامنے ہر رکن نے سابقہ دور میں اپنی جدوجہد اور پارٹی وفاداری کا بھرم بھر کہ منافع بخش وزارتوں میں سے حصہ مانگا۔جب سب اپنا حصہ وصول کرچکے تو تعلیم کی وزارت کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی گئی۔پارٹی صدر نے دیکھا کہ اس وزارت کا کوئی بھی متمنی نہیں تو اس کو اور وزارت کے ساتھ نتھی کرکے کے نام مانگے گئے مگر جواب ندارد تو ان میں سے ایک کو جاتے جاتے بمشکل اضافی طور اس کا بوجھ اٹھانے پر راضی کیا گیا۔شعبہ تعلیم کو سب

سے زیادہ خطرہ ہمیشہ برسراقتدار حکم رانوں سے رہا ہے''۔

ذریعہ تعلیم ''اردو ہو یا انگریزی؟'' کی بحث نے قومی زندگی کے انتہائی اہم دس سال ضائع کر دیے جس سے طبقاتی کشمکش نے جنم لیا اور ایک اعتبار سے پوری قوم اُلجھ کر رہ گئی۔ سُرخ انقلاب اور افغان جہاد کی وجہ سے فارنرز کی بھی ہمارے نونہالوں میں دلچسپی بڑھی، جگہ جگہ امریکن اور برٹش سینٹرز کھلے جہاں لینگویج کم اور ثقافت کا پرچار زیادہ ہوتا تھا۔ بڑی یونیورسٹیوں میں امکانات Synthesis پر فری لیکچر ہونے لگے۔ گوروں کے ان لیکچرز کو بڑی اہمیت دی جانے لگی اور یوں کیمبرج، آکسفورڈ، اے اور او لیول کی اصطلاحات ہمارے ہاں آئیں۔ حکم رانوں کے مطالبات صرف امداد اور ایڈ تک ہی محدود رہے اور گوروں نے اس کے بدلے دھیرے دھیرے اپنی ترجیحات اور اصطلاحات لانی شروع کی۔ اس میں تیزی جنرل مشرف کے زمانے میں اس وقت آئی جب امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس نے ''دوست'' ملک میں اپنی تعلیمی ترجیحات اور موجود نصاب کو تبدیل کرنے پر زور دیا۔ جماعت نہم اور دہم سے سورہ انفال کی آیات کا اخراج بھی اسی دور سے شروع ہوا اور فیڈرل، پنجاب، سندھ، پختونخوا اور بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کی درسی کتابوں کے سرورق پر مصنفین کے ناموں میں غیر ملکی ناموں کا بھی اضافہ اسی دور میں ہوا۔

غیر ملکی اشاروں پر نصاب اور تعلیمی پالیسیوں میں ردوبدل کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ 1947 کی پہلی تعلیمی کانفرنس، 1959 میں ایس ایم شریف کمیشن، 1970 میں نورخان کمیشن، بھٹو کے دور میں 1972 کی تعلیمی پالیسی جس میں تعلیمی اداروں کو قومیایہ گیا پھر 1978 کی تعلیمی پالیسی جس میں ان اداروں کی نج کاری کی گئی، 1992، 1998 اور 2010 کی تعلیمی پالیسیوں میں تکرار کے ساتھ کہا گیا ہے کہ ہمارا نصاب تعلیم ایسا ہوگا جس سے اسلامی معاشرہ وجود پا سکے، ایثار و ہمدردی کے جذبات اور حب الوطنی کا جذبہ بیدار ہو۔ ایک اہم نقطے کی طرف بھی تمام پالیسیوں میں توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ صرف دینیات اور اسلامیات کے مضامین میں نہیں بلکہ اردو، معاشرتی علوم یہاں تک کہ انگریزی کے درسی اسباق کے موضوعات بھی اسلامیات سے ہم آہنگ ہوں گے۔ صد حیف نئی نصاب سازی میں اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی یا جان بوجھ کر اس سے صرفِ نظر کی جا رہی ہے، پوری انگریزی درسی کتاب میں نماز، وضو اور اخلاقیات کے موضوعات حذف ہی کر دیے گئے ہیں۔ صدر ضیاء الحق کے دور میں سیکنڈری تا پوسٹ گریجویشن عربی اور مطالعہ پاکستان کے مضامین کی تدریس کا فیصلہ ہوا۔ بتدائی طور پر جماعت ششم، ہفتم اور ہشتم میں عربی کی تدریس کا آغاز ہوا اور اس کے لیے اساتذہ بھی بھرتی ہوئے لیکن شاید حکم رانوں کی ترجیحات بدلنے سے اس جانب توجہ کم ہوگئی ہے، ایک تو ہائیر سیکنڈری اور ڈگری جماعتوں میں اس کی تدریس کا آغاز نہ ہو سکا اور عربی اساتذہ کی تربیتی ورکشاپس کا منصوبہ بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس حوالے سے سندھ حکومت کا رویہ تو از حد مایوس کن ہے،

1996 کے بعد 2011 میں صرف چند سو عربی اساتذہ کا تقرر کیا گیا لیکن دو سال سے زائد عرصہ ہونے کو آیا، یہ اساتذہ تا حال تنخواہوں سے محروم ہیں اور سندھ ہائی کورٹ میں فاضل عدالت کے حتمی فیصلے کے منتظر ہیں۔

مطالعہ پاکستان کی تدریس کو جذبہ حب الوطنی اجاگر کرنے کی بنیاد قرار دیتے ہوئے جماعت ہشتم تک اس کا نام معاشرتی علوم اور جماعت نہم تا پوسٹ گریجویشن اس کا نام مطالعہ پاکستان طے کیا گیا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں یہ مستحسن اقدام تھا تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے والے ہیروز، بزرگوں کی لازوال جدوجہد، ناقابلِ فراموش قربانیوں اور مسلم لیگ کے دوقومی نظریے کو اس کا بنیادی موضوع تجویز کیا گیا۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کے ارشادات کو ان موضوعات کے لیے مہمیز کے طور پر چنا گیا۔ نصاب سازی کے اہم ترین اصولوں میں سے جامعیت، لچک اور تنوع ہے لیکن نہ جانے کیوں مطالعہ پاکستان کی نصاب سازی میں اس کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا یا یہ کہ انتہائی عجلت میں نصاب تیار کر کے درسی کتابیں چھاپ دی گئیں۔ اگر اس سے قبل تیکنیکی طور پر اس نصاب کو مجوزہ عملی آزمائش کے مرحلے یعنی تجرباتی، بنیادی اور فیلڈ آزمائش سے ہی گذار لیا جاتا تو کبھی یہ نصاب اس قدر بے جان نہ ہوتا۔ جماعت سوم تا پوسٹ گریجویشن مطالعہ پاکستان کے نصاب میں ایک ہی نقطہ نظر کو شدومد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تقسیم ہند کے نظریے کی مخالفت کرنے والے اکابرین کی آراء کو کسی بھی انداز میں اس نصاب کا حصہ نہیں بنایا گیا، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں نہ سہی کم از کم ڈگری یا پوسٹ گریجویشن میں تقسیم کے مخالف نقطہ ہائے نظر کو کمزور انداز سے ہی پیش کر دیا جاتا تو کم از کم ایک خاکہ تو مکمل ہوتا۔ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ یہ نصاب کیبنٹ مشن، بہار اور پنجاب کے فسادات کے تذکرے، بانی پاکستان کے عرصہ دس سال تک کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی بیک وقت رکنیت کے تذکرے سے بالکل خالی ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، ابوالکلام آزاد مرحوم اور شورش کاشمیری مرحوم کا تذکرہ تو کُجا اُن کا نام بھی کسی جگہ نہیں ملتا۔

موجودہ دور میں ڈاکٹر صفدر محمود کے ساتھ اگر ڈاکٹر عائشہ کے اقتباسات ہی یونیورسٹی لیول کی کتابوں میں داخل نصاب ہو تو طلباء کو دوسرا نقطہ نظر سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ راقم عینی طور پر اس کا شاہد ہے کہ ہمارے جامعات میں خاص نکتہ نظر کی تدریس اس انداز میں دی جارہی ہے کہ جانبِ مخالف کے نظریے کو دشمنی سمجھا جاتا ہے اور طالب علم اگر تقسیم کے حامیوں کا کوئی قول نقل کریں یا پرچے میں لکھ دے تو موجب سرزنش شمار کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی ایک نامور یونیورسٹی میں ایم اے اردو (سالِ دوم) کا پورا ایک مضمون اور پرچہ ''سرسید احمد خاں کا خصوصی مطالعہ'' ہے، پورے مضمون اور پرچے میں صرف ایک ہی نقطہ نظر بیان کرنے اور لکھنے کی اجازت ہوتی ہے، سید صاحب کے متعلق دوسرے نظریے کو لکھنے اور بولنے کی قطعی اجازت تو کجا، امتحانات میں نمبرات بھی کاٹے جاتے ہیں۔

بہرکیف! یہ چند تضادات کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے، مدارس دینیہ کے نصاب اور طریقہ کار پر

اعتراضات کرنے کے بجائے ہمیں اپنے تضادات کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نصاب میں تبدیلی ناگزیر ہے لیکن یہ تبدیلی ماہرین تعلیم کی سرپرستی میں اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہو اور فلسفہ حیات سے ہم آہنگ بھی ہو، اسی بنیاد پر تو الگ وطن حاصل کیا گیا ہے۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم کا موضوع صوبوں کو منتقل ہونے کے بعد تعلیم کو مزید خطرات لاحق ہو گئے ہیں اور تعلیم میں جو یکسانیت ہونی چاہیے وہ مفقود ہوتی جارہی ہے۔ اس کے بارے میں بھی ارباب اختیار کو سوچنا ہوگا۔ اسی طرح تعلیمی پالیسیوں میں عملی تدریس سے وابستہ ماہرین تعلیم کو جب تک عمل طور پر شریک نہیں کیا جائے گا تو مسائل کم نہیں ہوں گے بلکہ بڑھیں گے۔

☆.....☆.....☆

عالم عرب کے اسلامی تعلیم ونصاب پر حملے

مصر میں جامعہ ازہر کے اسلامی تشخص اور اسلامی علوم کے لئے اس کی نشر واشاعت کے شاندار ماضی سے کون ناواقف ہے، جامعہ ازہر صرف مصر ہی نہیں، پورے عالم اسلام کو ایک دور میں اسلامی علوم کے ماہرین مہیا کرتی رہی ہے اور اس کی ان خدمات کا دائرہ برسوں نہیں بلکہ صدیوں پر محیط ہے۔ لیکن ایک منظم سازش کے تحت عالم اسلام کے اس بے نظیر ادارے کا بطور خاص گزشتہ چند عشروں سے جو حشر کیا گیا ہے، اس سے شاید بہت سے لوگ واقف نہیں ہوں گے، اس کے بجٹ میں تخفیف کر کے، نئی ضروری عمارتوں کی تعمیر اور قدیم خستہ عمارتوں کی مرمت موقوف کر دی گئی، دینی تعلیم کو بالکل برائے نام کر دیا گیا، ہفتہ واری بیس گھنٹوں میں کمی کر کے صرف چار گھنٹے تفسیر وحدیث، فقہ وعقائد کے لئے رکھے گئے، نصاب تعلیم سے جہاد اور یہود سے متعلق تمام مواد نکال دیا گیا۔ ''شیخ الازہر'' کے عظیم منصب پر ڈاکٹر سید طنطاوی جیسے مغرب پرست شخص کو بٹھایا گیا، جس نے بیک جنبش قلم ایک قرارداد کے ذریعے ملک بھر میں پھیلے ہوئے حفظ قرآن کے چھ ہزار مکاتب کی انفرادی اور خود مختار حیثیت ختم کر کے انہیں ''ازہری معاہد'' میں ضم کر دیا..... وہ ازہر جہاں سے اسلامی علم کے چشمے ایک دنیا کو سیراب کر رہے تھے، اب سیکولر دانشوروں کے نرغے میں اپنی تابناک روایات سے محروم ہو چکا ہے!

یمن کے اندر دینی مکاتب اور خود مختار آزاد دینی مدارس کا بڑا مفید سلسلہ جاری تھا، چند سال قبل خود مختار تمام دینی مدارس کو یا تو بند کر دیا گیا اور یا پھر انہیں وزارت تعلیم کے تحت کر دیا گیا، تاکہ اس کے نصاب میں ترمیم وتبدیلی کرتے ہوئے کٹھ پتلی امریکہ نواز حکومت کو کوئی دقت پیش نہ آئے اور اس کے بعد پارلیمانی کابینہ نے ان تمام قرآنی اور دینی مکاتب کو بند کرنے کے لئے ایک قرارداد منظور کرائی، جو نئے جاری کردہ قانونِ تعلیم پر پورا نہیں اترتے، یمنی صدر علی عبداللہ صالح نے اپنی بے بسی اور مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر آزاد دینی معاہد کو حکومت کے قبضہ میں نہ لیا جاتا تو ان کے ملک کا بھی افغانستان اور عراق جیسا حشر ہوتا۔''